© rasailojaraid.com

نقد و نظر

طارق جان

شمالی قفقاز میں استعماری ہتھکنڈے، مسلمانوں کی مزاحمت اور جدید عالمی نظام

نام کتاب	:	The North Caucasus Barrier: The Russian Advance Towards the Muslim World
تصنیف / تدوین	:	Marie Bennigsen Brox Up
ناشر	:	(London: Hurst and Co.)
سال اشاعت	:	1992
صفحات	:	252

© rasailojaraid.com

سابق سوویت یونین اور وسطی ایشیا کے حوالے سے شائع ہونے والی اکثر کتب بظاہر غیر متعلقہ تحریرات ہیں کیونکہ ان کا تعلق ماضی سے ہے اور سوویت یونین اب مرحوم ہو چکا ہے۔ اس تمام کے باوجود یہ کتب اس لحاظ سے اہم ہیں کہ یہ اُس المناک ماضی کا حصہ ہیں جب روسی عوام اور خود مسلمان اقوام سائنسی اشتراکیت کے نام پر ظلم کی چکی میں پیسے گئے تاکہ ان کے تشخص کو مٹا کر عقل کی بنیاد پر ایک بے مذہب اور بے خدا انسان کی تشکیل کی جا سکے، اس پہلو سے ایسی کتب تاریخ کا ایک ایسا بے رحمانہ آئینہ فراہم کرتی ہیں جس میں استعمار کا بدزیب چہرہ، اپنی اُس تمام تر جادوگری کے ساتھ جو اُس نے اقوام کو آزادی اور حرمت انسانیت کے نام پر غلامی کے شکنجے میں جکڑنے کے لیے کی، دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی تحریریں اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ مغرب کے یک قطبی عالمی نظام نے مسلمانوں کو سرنگوں کرنے کے لیے کم و بیش وہی ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کر دیے ہیں جو زار شاہی روس اور اس کے جانشین سوویت یونین نے اختیار کیے تھے۔ اس لیے تسلط کے ان پہلوؤں کا ادراک بذات خود وقت کی شدید ضرورت ہے۔

میری بینگسن براکس اپ (Marie Bennigsen Brox Up) اس سے پہلے بھی سوویت یونین اور مسلمانوں کے بارے میں مستند تحریریں لا چکی ہیں۔ زیر بحث کتاب انہوں نے چند دیگر حضرات کے اشتراک سے مرتب کی ہے۔ کتاب کا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے قفقاز کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہاڑی علاقہ ہے۔ مصنفہ (اور مولفہ) کے لیے یہ علاقہ سوویت یونین کے زوال میں ایک اہم کردار کا حامل ہے اور کتاب اسی محور کے گرد تمام ترجہتوں کے ساتھ گھومتی ہے۔ سوویت یونین جو کہ زارشاہی روس کا جانشین بنا اُس کے بارے میں مغربی ممالک عموماً یہ تاثر گہرا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر وہ گرم پانیوں تک نہ پہنچ سکا تو اُس کی وجہ مغربی مخاصمت ہے۔ یہ ایک گمراہ کن تاثر ہے جو مغرب اپنی برتری کے حوالہ سے دُنیا کو دینا چاہتا ہے تاکہ اقوام عالم اُس کی زُلف کی اسیر رہیں۔ میری (Marie) تاریخ کے ریکارڈ کو درست رکھنے کے لیے یہی دلیل لاتی ہیں کہ روسیوں نے سولہویں صدی کے وسط میں گرم پانیوں تک رسائی کے لیے ایک عظیم لشکر کشی دریائے ٹیریک (Terek) کے ساحل سے کی لیکن چار صدیوں کی کم وبیش مسلسل شوریدہ سری کے باوجود وہ دریائے آراکس (Arax) تک ہی پہنچ پائے۔ میری (Marie) کی یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی تھی اُس کا یہ تبصرہ مستقبل بینی کا ایک عمدہ نمونہ ہے، جب وہ کہتی ہے :

> [روس کے لیے] گرم پانیوں تک رسائی ابھی تک ناقابل حصول ہدف ہے۔ ترکی، ایران، افغانستان ابھی تک [آزاد حیثیت سے] قائم و دائم ہیں اور روس کی اُس کے مقبوضات سے واپسی کے عمل کی اُلٹی گنتی شروع ہوگئی ہے۔ عموماً برطانیہ، فرانس، جرمنی اور ترکی کی طرف سے خارجی دباؤ کو مسلم دُنیا کی طرف روسی پیشقدمی کی ناکامی کا باعث قرار دیا جاتا ہے [لیکن] روسی تسخیر کے خلاف [مسلم] مزاحمت اور مخالفت کا شاذ ہی ذکر کیا جاتا ہے۔

مختصر تاریخی پس منظر اور عالمی قوتوں کی دلچسپی

تاریخی حوالہ سے شمالی قفقاز کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سولہویں صدی تک قفقاز بین الاقوامی منظر سے اوجھل رہا۔ مذہبی اعتبار سے گویہ تین مذاہب پر مشتمل علاقہ تھا۔ مغرب میں عیسائی (ادیگے وغیرہ) مشرق میں مسلمان (داغستانی) اور وسط میں پسماندہ اقوام (چیچن وانگوش) آباد تھیں۔ یہ ایک پرامن علاقہ تھا جسے اپنے ہمسایہ ممالک سے کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ لیکن پھر اچانک ۱۵۵۶ء کے زمانہ میں زار روس آئیوان خوفناک (Ivan the terrible) نے استراخان کی فتح کے ساتھ ہی اس علاقہ کو بین الاقوامی اہمیت دلادی اور یہ عالمی قوتوں کے حصار میں آگیا۔ یہ تقریباً چھ قوتیں تھیں : خلافت عثمانیہ، خانیت کریمیا، ترکستان کے شیبانی، ماسکووی، عظیم نوگ قبائل اور ایران۔ ان سب کے لیے قفقاز کی اہمیت فوجی اور تجارتی راستوں کی وجہ سے تھی لیکن روسیوں کے لیے اس علاقہ کی مکمل تسخیر ان کے گرم پانیوں تک رسائی کی خواہش اور ایرانی تجارتی منڈی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصول کے لیے ضروری تھی۔ عثمانیوں اور تاتاریوں کو قفقاز پر تسلط کے بعد دربند (Derbent) کے ساتھ رابطہ اور ایرانیوں کو براستہ شیروان حصار میں لینے کے مواقع مل رہے تھے۔ شیبانیوں کو بخارا سے حج کے لیے راستہ ملنے کا امکان تھا اور ساتھ ہی مشرقی اور مغربی ترکوں کے درمیان رابطہ کا آخری موقعہ مل رہا تھا۔

ان سب میں روسیوں کو ایک لحاظ سے تفوق حاصل رہا۔ ۱۵۹۰ء کے اوائل میں وہ دریائے سونجا (Sunja) تک پہنچ گئے۔ اور یہی وہ وقت ہے جب عثمانیوں اور تاتاریوں کو یہ احساس ہوا کہ اگر روسیوں کی پیش قدمی کو روکا نہ گیا تو پھر اُن کے مفادات کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ داغستانیوں کی اُن کے ساتھ معاملہ فہمی پر یہ اتحاد ثلاثہ اس قابل ہو گیا کہ روسیوں کے تسلط کو اُکھاڑ پھینکے۔ دوسرا دور جو ۱۶۰۴ء سے ۱۷۸۳ء تک جاری رہا نسبتاً پرسکون ہے۔ روس یورپ میں مشغول ہو گیا۔ اس تعطل کی وجہ سے سب سے زیادہ فائدہ اسلام کو ہوا، آہستہ آہستہ وہ شمالی قفقاز کا اکثریتی مذہب بن گیا۔ مسلمان نوگوں (یانوغائی) قبائل کی عظیم فوجی قوت کا زوال بھی اسی دوران ہوا اور قازق آبادیوں کا قیام بھی اسی زمانہ میں ہوا۔ یہ تینوں تبدیلیاں مستقبل کی صورت گری میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ تیسرا دور ۱۷۸۳ء سے ۱۸۲۴ء تک محیط ہے۔ اس عرصہ میں روسیوں نے بڑے منظم طریق سے قفقاز کے خلاف پیش قدمی کی۔ ۱۷۸۳ء میں آذق [کذا؛ (مدیر)] کی تخریب ہوئی اور ساتھ ہی کریمیا خانیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ روسیوں کے لیے اب یہ ممکن ہو گیا کہ وہ شمالی قفقاز سے براہ راست تصادم اختیار کر سکیں۔ لیکن اس ہولناک زمانہ میں جبکہ ہر قسم کے عوامل روسیوں کے حق میں تھے، شیخ منصور عشرمہ نے جو کہ نقشبندی صاحب طریقت تھے، روس کے خلاف مسلمانوں کی تنظیم سازی شروع کی اور پھر اُس علاقہ میں روسیوں کی تاریخی شکست کا باعث بن گئے۔ شیخ منصور چھ سال ہی برسرِ اقتدار رہے اور بالآخر روسیوں کے ہاتھوں قید ہو کر ۱۷۹۳ء میں انتقال کر گئے۔ روسیوں نے قفقاز کے مسلمانوں پر وہ ستم ڈھائے کہ الامان الحفیظ، جس کے نتیجہ میں تیس سال تک جہادی تحریک دبی رہی، لیکن اس دوران مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو گیا کہ اسلام کے محور کے گرد جمع ہو کر ہی وہ روسی استعمار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

چوتھے دور (۱۸۲۴ء-۱۹۲۲ء) کو غزوات کا دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ کم و بیش ایک صدی پر محیط ہے۔ اس دوران شمالی قفقاز میں عظیم تبدیلیاں رونما ہوئیں، شریعت کا مکمل نفاذ، جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور اُس کی جگہ آزاد کسانوں کی انجمنوں (uzden) کا قیام، عربی زبان کی ترویج اور اُسکی ثقافتی حیثیت کا اثبات، اسلامی طرز حکومت جس میں مشاورت کا وسیع نظام اور اخوت کے فروغ نے ایک نئے معاشرہ کی صورت گری کی۔ امام شاملؒ جیسے قائد نے نئی روح پھونک دی۔ قفقاز روس کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلگتا ہوا جہنم بن گیا۔ پانچواں دور (غیر منظم) بغاوت اور سرکشی کا دور ہے۔ یہ ۱۹۲۲ء سے شروع ہوا ہے اور اپنی قربانیوں اور جانثاری سے بار بار یہ پیغام دیتا رہا کہ مسلمانوں کی حریت فکر اسلام سے ہی وابستہ ہے اور اسلام ہی اُنھیں استعمار کے لیے سخت کوش بنا سکتا ہے۔

اسلام کی بیخ کنی: روسی حربے اور مسلم مزاحمت

شمالی قفقاز پر روسی تسلط کے بعد روسیوں نے پوری شدت کے ساتھ مسلمانوں کے جسد ملی سے اسلام نکالنے کی کوششیں کیں۔ کیونکہ اُن کے خیال میں اسلام ہی اصل مسئلہ تھا۔ میری بینگسن روسی حکمت عملی کے تحت ایسے پانچ طریقہ کار کا ذکر کرتی ہیں:

(۱) مسلمان علاقوں میں روسی کسانوں کی آباد کاری (۲) انضمام (۳) بالادست طبقہ کی سرپرستی (۴) اسلام کی بیخ کنی (۵) جلاوطنی، قتل عام اور ملک بدری۔

• روسی کسانوں کی نوآبادیاتی رہائشی بستیاں: میری بینگسن کے مطابق محض بستیاں نہ تھیں بلکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو ڈرانا اور مغلوب رکھنا تھا۔ یہ بستیاں، جو روسی کسانوں پر مشتمل ہوتی تھیں، مسلح ہوتی تھیں۔ میری بینگسن نے یہاں ایک دلچسپ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جب وہ کہتی ہیں کہ یہ پالیسی کئی سالوں تک کامیاب رہنے کے بعد اُس وقت ناممکن العمل ہوگئی جب روسی آبادی کے دیہی عنصر میں کمی واقع ہوگئی۔ افغانستان میں باوجود خواہش کے روسی ایسی افرادی قوت فراہم نہیں کر سکے تھے جو وہاں نوآبادیاتی بستیاں آباد کر سکے۔

کیا شہروں کی وسعت اور صنعتی معاشرہ کمزور اور بزدل افراد پیدا کرتا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور وہ معاشرے جو زندہ رہنا چاہتے ہیں اُنھیں اس پر سوچنا چاہیے کہ ایک ایسا ثقافتی تمدن جس سے جفاکش انسان پیدا ہوتے ہوں اُسے صنعتی دور میں کس طرح سے برقرار رکھا جا سکتا ہے؟

• انضمام کے عنوان سے بینگسن نے دو طریقہ کار کی نشاندہی کی ہے۔ اول مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مہمیں۔ دوئم تبدیلی مذہب کے بعد روسی معاشرہ میں قفقازیوں کا جذب و انضمام۔ یہ دونوں طریقہ کار کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ تبدیلی مذہب کے بعد ایسے افراد کو اُن کا سابقہ مسلمان معاشرہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ سوویت یونین نے عیسائیت کی جگہ مارکسزم کی تبلیغ "قوم پرست ظاہر میں اور اشتراکی باطن میں" کے نعرہ کے ساتھ شروع کی لیکن وہ بھی ناکام ہوگئی۔

• بالادست طبقہ کی سرپرستی: یہ طریقہ کار کا باردا (قفقاز) میں سولھویں صدی عیسوی میں استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا۔ بیسویں صدی میں افغانستان تک پہنچتے پہنچتے یہ ایک آرٹ فارم بن گیا جس کے ذریعہ سے مسلمان معاشروں میں بالادست طبقہ کے شرفاء کو جو ویسے بھی اقتدار پرست ہوتے ہیں، استعمار کے لیے استعمال کرنا تھا۔ کوئلقویجے (Quelguejay) نے اس موضوع پر لکھتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ سب سے پہلے کیتھرین دوئم نے ۱۷۸۳ء میں اس طریقہ کار کے تحت تاتاری شرفاء کو ایک صدی تک روسی استعماری مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ سوویت یونین نے مسلم مذہبی بورڈ بنا کر زاروں کی پالیسی کو آگے بڑھایا لیکن ۱۹۸۹ء میں جب مفتی شمس الدین بابا خانوف کو وسطی ایشیاء سے اور مفتی محمود گیکیف کو شمالی قفقاز سے عوام کے زبردست احتجاج پر معزول کیا گیا تو اس پالیسی کی محدود افادیت بہر طور ظاہر ہو گئی۔

شمالی قفقاز میں چونکہ قادری سلسلہ تصوف کے گہرے اثرات تھے اس لیے یہاں پر ''مسلمان'' اشتراکیوں بالخصوص نجم الدین سمرکئی کی مدد سے انتشار کے بیج بوئے گئے۔ چیچن انگشتیا میں علی میتائیف (Ali Mitaev) اور اکوشہ کے شیخ علی کو جب اشتراکیوں نے ہتھیالیا تو یہ بڑی اہم پیش رفت سمجھی گئی۔ شیخ علی کو جدید روشن خیال مسلم قائد قرار دیا گیا۔ لیکن ۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء کے ایک سال کے دوران ہی دونوں کو مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ ایک زندہ معاشرہ کی طرف سے زندگی کا اثبات تھا۔

اشتراکی ابتداء سے ہی یہ بات اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ جب تک اسلام بطور نظریہ حیات کے قفقازی مسلمانوں میں موجود ہے روسی استعمار اپنے تسلط کو پائیدار نہ کر پائے گا۔

مشہور اشتراکی نجم الدین سمرکئی نے ۱۹۲۵ء میں ہی اپنے استعماری آقاؤں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ جب تک مولوی اور صوفی کا گلا کاٹا نہیں جاتا اشتراکی معاشرہ وجود میں نہیں آئے گا۔ سمرکئی کے نزدیک ''یورپی تہذیب سے نفرت، جسے مذہب سے استدلال ملے اُس سے لڑنا بذات خود مذہب سے بھی زیادہ مشکل امر ہے۔'' یہ بات قفقازی مسلمانوں کی تعریف میں جاتی ہے کہ وہ یورپی تہذیب کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے اور اُس پر اشتراکی چہرہ اُنہیں دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ بقول سمرکئی مسلمانوں کی اسلامی قیادت یورپی تہذیب کو ایک ایسا ہتھیار سمجھتی تھی جس سے مشرقی اقوام کو غلام بنایا گیا تھا۔

اس مشاہدہ کی قوت کا اندازہ مسلمان ممالک میں یورپی تہذیب کے تسلط اور اُن کی فکری، سیاسی اور معاشی غلامی کے قبول کرنے سے لگایا جا سکتا ہے۔ خود پاکستان کے تناظر میں نوکر شاہی اور دیگر اہم اداروں میں مغربی تہذیب کے اثرات ہی کی وجہ سے ایک ایسا گروہ وجود میں آگیا ہے جو وطن عزیز کو اُس کی نظریاتی جہت سے محروم کرنے اور مغربی پالیسیوں کو آگے بڑھانے میں ہمہ وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصروف کار ہے۔ اسلام کتنا سخت جان ہے اِس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دینی مدارس پر مسلسل کئی سالوں تک بندش لگائی گئی لیکن اسکا نتیجہ بالکل معکوس نکلا۔ دینی مدارس زیر زمین چلے گئے یا پہاڑوں میں روپوش ہو گئے لیکن درس و تدریس جاری رہی۔

اس پر بس نہیں کیا گیا۔ ۱۹۴۴ء میں مقامی مسلمانوں کو علاقہ بدر کر دیا گیا، تمام مساجد کی تالہ بندی کر دی گئی اور یہ سلسلہ ۱۹۷۸ء تک جاری رہا۔ ساٹھ سالوں تک قادری سلسلہ تصوف پر بندش تھی۔ ۱۸۶۸ء میں کیپٹن لیپولیٹوف نے زار روس کو خوشخبری دی کہ قادریہ سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، لیکن دس سال بعد وہ اپنے ایک ایک لفظ کو چبا رہا تھا جب قادری تحریک روس سے پھر ٹکرائی۔ کچھ اس قسم کی رجائیت کا مظاہرہ سویت مصنف ٹوٹائیف (Tutaev) نے کیا جب اُس نے رقم کیا: "فرقہ پرست اب ایک حقیر اقلیت بن کر رہ گئے ہیں جن کا اثر نئی چیچن نسل پر بالکل معدوم ہو کر رہ گیا ہے"، لیکن جب چیچن اپنے قائدین کی سرکردگی میں روسی اور سوویت استعمار کے خلاف اُٹھے تو ایک دنیا نے دیکھا کہ وہ نہ صرف زندہ تھے بلکہ تابندہ بھی تھے۔

قفقازی مسلمانوں میں روسی ذہنیت کے افراد تیار کرنے کے لیے کئی پلان بنائے گئے مثلاً:

۱۔ مسلمان خواتین کو روس کی تیار کردہ قیمتی اشیاء کا گرویدہ بنانا: یہ اشیاء عیسائی مشنری تنظیموں کے ذریعہ سے اُن کو دی گئیں اور اتنی بڑی تعداد میں مہیا کی گئیں کہ دوسرے ممالک کا مال وہاں بک نہ سکے۔ اس ساری کاوش کے پیچھے روس کی یہ خواہش تھی کہ کسی طریقہ سے قفقازی مسلمانوں کو اُن کے روایتی اور مقامی طرز زندگی سے بیزار بنا کر روسی تسلط کو دوام دیا جاسکے۔

۲۔ آبادی کا وہ حصہ جو ذہنی اور نفسیاتی طور پر روسی تسلط کو قبول کر چکا تھا وہاں ایسے عظیم الشان گرجا گھروں کی تعمیر کی گئی جس کے مقابلے مساجد بودی نظر آنے لگیں ساتھ ہی اُنہیں پادری کی شکل میں ایک "عظیم باپ" سے متعارف کرایا گیا تاکہ وہ اپنے علماء کی جائے "استعماری نمائندہ" سے ہدایت و راہ نمائی لے سکیں۔

۳۔ روسی زبان کا ہمہ گیر نفاذ و ترویج: تاکہ مسلمانوں کو اُن کے ماضی اور خود اسلام سے کاٹ دیا جائے۔

۴۔ چیچنیا سے انتقال آبادی: اندرون روس ۱۸۳۴ء تک چیچن آبادی صرف ۱۵۰۰۰ رہ گئی تھی۔ ۱۸۶۴ء میں ایبخ (Ubykhs) اور چیرکیس (Cherkess) اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر ترکی چلے گئے لیکن چیچن اور انگوش نے جو جرأت اور استقامت دکھائی تاریخ میں شاید ہی اُس کی مثال ملے۔ دوسری جنگ عظیم میں اُنہیں اپنے وطن سے زبردستی نکالا گیا جس میں اُن کی آدھی آبادی تباہ ہو گئی۔ بقیہ آبادی نے سٹالن کی موت کے بعد بغیر کسی اجازت کے روسی کیمپوں کو چھوڑ کر وطن کی راہ لی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۵۹ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان صرف گیارہ سالوں میں ان کی آبادی اتنی تیزی سے بڑھی کہ یہ تقریباً دُگنی ہوگئی۔ اتنی بربادی اور صعوبتوں کے بعد بھی اگر وہ زندہ رہے تو اُس کی وجہ ان کی اسلام سے وابستگی تھی۔

وسطی ایشیا میں عربی اب صرف قفقاز میں ہی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ عالم اسلام سے اُن کی وابستگی بھی اسلام ہی کا اعجاز ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس کی بناء پر اُنھوں نے اپنی گردنیں اشتراکیوں سے کٹوادیں لیکن افغانستان میں اپنے مسلمان بھائیوں پر گولی چلانے سے صاف انکار کردیا۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ کے عراق پر حملہ کی بھی اُنھوں نے واضح مذمت کی۔

اسلام سے قفقازیوں کی گہری وابستگی کی ایک مثال

اسلام سے اُن کی وابستگی اور اُس کے دفاع کے لیے اُن کی جاں نثاری کی یوں تو کئی داستانیں ہیں لیکن جو حشر اُنھوں نے چینورگلاز (Chenorglas) کا کیا وہ نہ صرف اُن کی جرات و بے باکی کا بلکہ اُن کی لطافت طبع کا بھی مظہر ہے۔ بقول عبدالرحمان اوطورخانوف چینورگلاز ۱۹۲۶ء میں انگشتیا میں بطور سیکرٹری مرکزی انتظامی کمیٹی متعین ہوا۔ وہ ایک ضدی اور متعصب اشتراکی تھا جس کا مقصد حیات اشتراکیت کا فروغ اور مسلمانوں سے نفرت تھی۔ انگشتیا آتے ہی اُس نے علماء پر زور و جبر شروع کردیا۔ پہلے تو ایک اعلامیہ پر چند ملاؤں کے دستخط لئے گئے جس میں اسلام سے مخاصمت کا اظہار کیا گیا اور پھر ایک گاؤں کی مسجد کو اناج ذخیرہ کرنے کے لیے گودام بنانے کا حکم دیا، ساتھ ہی نماز پر بندش لگادی۔

اس سے ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور لوگوں نے چیخ کر کہا کہ "اس بدبخت کو مار ڈالو،" چنانچہ چینورگلاز کا نمائندہ ایوانوف (Euanov) مار ڈالا گیا، چینورگلاز کی چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیے انگشتیا کے مسلمانوں نے کریملین تک وفود بھیجے لیکن اُن کی شنوائی نہ ہوئی۔ اس سے چینورگلاز کی شقاوت قلبی میں اضافہ ہوگیا۔ گلاشکنئی میں اُس کی تقریر کے بعد ایک سن رسیدہ مسلمان بیگ مرزائیف (Bekmurziev) کھڑا ہوگیا اور لوگوں کی تالیوں کی گونج میں بولنے لگا:

> پچیس سال پہلے اسی چوک میں جہاں ہم اکٹھے ہوئے ہیں، کرنل میٹنک (Mitnik) جو اُس وقت، جیسا کہ اب تم ہو، انگوش میں گورنر تھا، اُس نے قفقاز کے گورنر جنرل کے نام پر ہمیں ایکتنیبہہ کی تھی اور ہمیں ہتھیار، جو کہ ہمارے پاس تھے ہی نہیں، [حکومت کے] حوالہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ میٹنک خود ایک اچھا آدمی تھا لیکن زار کی حکومت بُری تھی۔ اس لئے میں نے اسی جگہ پر (اپنا چھرا دکھاتے ہوئے) اس قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھرے کے ساتھ اُسے قتل کر دیا۔ مجھے عمر قید کی سزا دی گئی تھی لیکن بارہ سال بعد انقلاب نے مجھے رہائی دلا دی۔..... میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا اس کی بجائے تمہیں میں یہ دانشمندانہ مشورہ دیتا ہوں: جبکہ ابھی تمہارے شانوں پر سر موجود ہے انگشتیا سے چلے جاؤ، عوام الناس تمہارے خلاف شدید جذبات رکھتے ہیں، میں قسماً کہتا ہوں وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔

چیبور گلاز کی بدبختی کہ اُس نے بوڑھے کی گرفتاری کا حکم دے ڈالا۔ اُسی دن انگوشتیا کے غیور عوام نے اُسے جبکہ وہ گاڑی میں جا رہا تھا قتل کر ڈالا اور اُسکا سر تن سے جُدا کر کے لے گئے۔ کچھ لوگ پکڑے گئے۔ عدالت میں جب جج نے ایک ملزم سے پوچھا "چیبور گلاز کا سر کہاں گیا؟" تو انگوش مردِ حُر نے تُرت جواب دیا "چیبور گلاز کا سر تھا ہی نہیں اگر ہوتا تو وہ انگشتیا کبھی نہ آتا۔"

بقول فینی بائرن (Fanny Byran) لادینیت شمالی قفقازیوں کے دِل جیت نہیں سکی۔ اشتراکی یہ دعوے کرتے نہیں تھکتے تھے کہ انہوں نے مذہب کی معاشرتی و معاشی بنیادوں کو منہدم کر دیا ہے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اسلام تمام استبدادی طور طریقوں کے باوجود قفقازی کردار میں اس طرح سے جذب ہے کہ اُسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے قفقاز کے پہاڑی سلسلے اور لوگوں کی اسلام سے وابستگی، سوویت توسیع پسندی کی راہ میں سد سکندری بنے رہے۔ مذہب دشمن قوتیں ہمیشہ اسلام کے حاملین کو نیم خواندہ اور پسماندہ قرار دیتے رہے لیکن ۱۹۸۶ء تک سوویت پریس اور خود سرکاری حلقے یہ تسلیم کرنے لگے کہ ایسا تصور درست نہیں۔ اسلامیان تعلیم یافتہ مہذب اور پیشہ ور لوگ ہیں۔ اشتراکیوں کے لیے تو یہ بھی صدمہ کی بات تھی کہ خود اُن کے مستند افراد چھپ چھپ کر دینی مجالس میں شامل ہوتے رہے ہیں۔

قومیتوں کا سوویت تصور اشتراکیت کا کاشت کردہ ہے لیکن اس معاملہ میں بھی قفقازیوں نے اُنہیں شکست دی۔ اشتراکیوں کا خیال تھا کہ قومیتوں کے تصور کے پروان پاتے ہی اسلام نابود ہو جائیگا۔ وہ اِس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ قفقازیوں کا تصور قومیت اُن کے مسلمان ہونے سے متصادم نہیں بلکہ جو مسلمان نہیں وہ چیچن اور انگوشی نہیں۔

تصور قومیت کی ناکامی کے بعد ایک نیا طریقہ جو اپنایا گیا وہ بین الاقوامیت (international-ism) کا تھا۔ اس نظریہ کے موئدین کے نزدیک اسلام کے کانٹے کو اُسی صورت میں نکالا جا سکتا ہے اگر مسلمانوں کو بین الاقوامیت کی نگاہوں سے اپنے آپ کو اور مسائل کو دیکھنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ (یہاں یہ اشارہ کر دینا غیر متعلق نہ ہوگا کہ خود آج وطن عزیز پاکستان میں International-ism کے درس دیے جا رہے ہیں) اس سلسلہ میں ٹی وی، روسی زبان اور لٹریچر کو کثرت سے استعمال کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا۔ لیکن ان ساری کاوشوں کے باوجود وسطی ایشیاء اب آزاد ریاستوں کا روپ دھار چکا ہے۔ ٹرانس کا کیشین اور بالٹک جمہور تیں آزاد ہو چکی ہیں۔ وولگا کے تاتار اور بشکیر آزادی کے لیے پھڑ پھڑا رہی ہیں۔ چیچنیا ایک شاندار جد و جہد کے بعد اپنی آزادی کو منوا چکا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب تمام شمالی قفقاز آزاد ہو جائے گا۔ عجب نہیں کہ اسلام کا احیاء قفقاز سے ہی ہو، شیخ منصورؒ اور امام شاملؒ صرف فوت ہوئے ہیں اُن کا پیغام اور اُن کی روح ابھی مری نہیں۔

© rasailojaraid.com